ڈاکٹر نذیر احمد :

سید ابوالعلاء اکبرآبادیؒ

سید ابوالعلاء اکبر آبادی (۱) گیارہویں صدی ہجری کے بڑے عارف ہوئے ہیں ، ان کا مسکن آگرہ تھا جہاں ان کی درگاہ آج بھی مرجع خلایق بنی ہوئی ہے ، سید ابوالعلا ، میر ابوالعلا اور امیرابوالعلا کے نام سے جانے جاتے ہیں ، ان سے ایک سلسلہ جو ابوالعلائی سلسلہ کہلاتا ہے ، شروع ہوا ، یہ سلسلہ کچھ ہی دنوں میں سارے شمالی ہندوستان میں پھیل گیا ، چنانچہ آج تک اس سلسلے کی درگاہیں پنجاب سے لے کر مشرقی بنگال تک پھیلی ہوئی ہیں ، دانا پور پٹنہ ابوالعلائی سلسلے کا بڑا مرکز رہا ہے اوریہاں آج بھی اس سلسلے کے لوگ پائے جاتے ہیں۔

میر ابوالعلا حسینی سید تھے ، وہ امیر سید تقی الدین کرمانی (۲) کی اولاد میں تھے ، ان کے والد کا نام میر ابوالوفا تھا، دادا امیر عبدالسّلام تھے ، باپ اور ماں دونوں طرف سے احراری سیّد ہیں ، شاہ ولی اللہ دہلوی نے انفاس العارفین (۳) میں غالباً مُلّا لطف اللہ کی کتاب اذکار احرار (۴) کی بنیاد پر لکھا ہے (۵) کہ ان کے جدِّ مادری خواجہ محمد فیضی بن خواجہ ابوالفیض بن خواجہ عبداللہ بن خواجہ احرار (۶) اور ان کے والد میر ابو الوفا سبط خواجہ ابوالفیض اور ان کے جد امیر عبدالسلام سبط خواجہ عبداللہ مذکور تھے ، امیر ابوالعلا کی احراری نسبت کی بنیاد یہی ہے (۷) -

میر ابوالعلا کے خانوادے کا تعلق ماوراء النہر کے مردم خیز شہر سمرقند سے تھا ، کہتے ہیں ان کے دادا امیر عبدالسلام اپنے خانوادے کے ساتھ دسویں صدی ہجری کے اواخر میں عازمِ ہند ہوئے ، قافلے میں ان کے بیٹے میر ابوالوفا اور ان کی اہلیہ شامل تھے- کہا جاتا ہے (۸) کہ دِلّی پہنچنے سے قبل موضع نریلہ میں ۹۹۰ ھ میں (۹) میر ابوالعلا کی ولادت ہوئی ، میر عبدالسلام اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ فتح پور سیکری پہنچے ، اور اس نئے شہر (۱۰) میں سکونت اختیار کی ، کچھ عرصے بعد میر عبدالسلام سفرِ حج پر گئے اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا ، ابوالعلا کے والد کا بھی انتقال فتح پور سیکری میں ہوا ، وفات کی تاریخ معلوم نہیں ، البتہ بعض قول کے مطابق وہ دہلی میں دفن ہوئے (۱۱)-

میر ابوالعلا چھوٹے ہی تھے کہ ان کے دادا اور ان کے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا ، پھر اپنے نانا خواجہ فیضی کی پرورش میں آئے (۱۲) ، خواجہ فیضی اکبرؒ دور کے مشہور سپہ سالار راجا مانؒ کے دربار سے وابستہ تھے ، ان دنوں راجا مان سنگھ بنگال کا حاکم تھا ، خواجہ فیضی بھی بنگال (۱۳)

میں کسی عہدے پر فائز تھے (۱۴) ، میر ابوالعلا نانا کی پرورش میں بنگال ہی میں مقیم رہے ، کچھ دنوں بعد خواجہ فیضی کی وفات (۱۵) ہو گئی تو راجا مان سنگھ نے خواجہ کے نوجوان نواسے کو اپنی ملازمت میں رکھا ، لیکن کچھ ہی دنوں میں میر کی طبیعت اس ملازمت سے اکتا گئی اور انھوں نے اس سے سبکدوشی اختیار کر لی ، اس سلسلے کی معتبر تاریخیں ہم کو معلوم نہیں ، لیکن اگر راجا مان سنگھ (۱۶) کے حالات پر نظر رکھیں تو میر ابوالعلاء کی ابتدائی زندگی کے چند امور پر روشنی پڑتی ہے۔ راجا ۱۰۰۸ ھ میں حکومتِ بنگال پر فائز ہوتا ہے اور اکبر کی وفات (۱۰۱۴ ھ) تک اسی عہدے پر برقرار رہتا ہے ، جہانگیر اپنے پہلے سالِ جلوس میں اسے اسی عہدے پر باقی رکھتا ہے ، جہانگیر کا بڑا بیٹا خسرو جو ۱۰۱۵ ھ میں جہانگیر کے خلاف بغاوت کرتا ہے ، وہ راجا کا بھانجا تھا ، جہانگیر کے خیال میں راجا کی ہمدردیاں اپنے بھانجے سے تھیں ، اس بنا پر شہنشاہ کو اس کی طرف سے سوءِ ظنی تھی ، مگر بعض وجوہ سے وہ راجا کو ناخوش نہیں کر سکتا تھا ، چنانچہ ربیع الاول ۱۰۱۵ ھ میں وہ راجا کے لیے بنگال میں قیمتی خلعت روانہ کرتا ہے ، کچھ ہی دنوں بعد وہ راجا کو دربار میں حاضری کا حکم بھیجتا ہے ، مگر وہ آنا کانی کرتا ہے ، رہتاس چلا جاتا ہے اور ذی قعدہ ۱۰۱۶ ھ میں جہانگیر کے دربار میں حاضر ہوتا ہے ، ان تفصیلات کی روشنی میں میر ابوالعلا کی حیات کے سلسلے کی یہ چند باتیں معلوم ہوئیں:

۱- خواجہ فیضی ۱۰۰۸ ھ میں راجا کے ہمراہ بنگال گئے ہوں گے۔

۲- خواجہ کی وفات ۱۰۱۵ ھ سے پہلے ہوئی ہو گی -

۳- بظاہر ابوالعلا خواجہ فیضی کے ہمراہ ۱۰۰۸ ھ کے قریب بنگال پہنچے ہوں گے ، اس وقت ان کی عمر ۱۸ سال کے لگ بھگ ہو گی ، اور نانا کی وفات کے موقع پر ۲۴ سال سے خاصی کم ہو گی۔

۴- میرابوالعلاء کی تصانیف پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مختلف علوم کے بڑے ماہر تھے دینی علوم ، فلسفہ ، تصوف اور ویدانت (۱۷) میں انھوں نے اتنی دستگاہ بہم پہنچائی تھی کہ ان علوم کے تعلق سے تصنیف و تالیف کر سکتے تھے ، اس سے واضح ہے کہ ان کے نانا کی زیر نگرانی ان کی تربیت بہت اچھی طرح ہوئی تھی ، کم عمری میں ان علوم کی طرف ان کی خاصی توجہ رہی ہو گی۔

۵- جیسا کہ معلوم ہے کہ ان کے نانا کے انتقال کے بعد راجا مان سنگھ نے میر ابوالعلا کو نانا کے عہدے پر فائز کیا تھا ، چونکہ وہ راجا کے بنگال میں قیام کے دوران بنگال چھوڑ چکے تھے ، یعنی ۱۰۱۵ ھ سے پہلے ہی ، اس حساب سے ملازمت سے میر کا تعلق بہت ہی قلیل مدت کا رہا ہو گا۔

راجا مان سنگھ کی ملازمت کے دوران میر ابوالعلا (۱۸) سپاہیوں (۱۹) کی وضع قطع میں رہتے تھے - ایک روز خواب میں ان کو تین بزرگ نظر آئے ، انھوں نے میر صاحب سے فرمایا کہ تم نے یہ کیا وضع بنا رکھی ہے ، ہماری وضع اختیار کرو ، اگر ملازمت محض معیشت کی وجہ سے ہے

تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہے ، وہ فرماتا ہے "اللہُ نور السموات والارض " اس کے بعد ان میں سے ایک نے استرے سے ان کے سر کے بال تراشے دیے ، دوسرے نے قمیص پہنائی ، تیسرے نے صافہ باندھا اور جوتے عنایت کیے ، جب خواب سے بیدار ہوئے تو دل میں بے چینی پیدا ہوئی۔ پھر وہ نوکری سے سبکدوش ہونا چاہتے تھے تو راجہ مان سنگھ کے پاس گئے ، وہ مانع ہوا ، لیکن یہ راضی نہ ہوئے اور ملازمت سے سبکدوش ہو کر عبادتِ الہیٰ میں مشغول ہو گئے - واضح ہے کہ اس وقت ان کی عمر ۲۴ - ۲۵ سال کے قریب ہو گی۔

کہتے ہیں کہ میر ابوالعلا بنگال سے واپس آتے وقت قصبہ مَنیَر پہنچے جہاں وہ شاہ دولت کی خدمت میں باریاب ہوئے جو حضرت یحییٰ منیری (۲۰) کی اولاد میں تھے، مآثر الامراء (ج ۲ ص ۱۷۰) میں ہے کہ راجہ مان سنگھ بنگال جاتے وقت منگیر میں شاہ دولت سے ملے تھے ، انھوں نے راجہ کو اسلام لانے کی ترغیب دلائی ، راجہ مایل تھے ، اور اسی غرض سے ایک ماہ وہیں مقیم رہے ، لیکن نہ جانے کیا چیز مانع ہوئی اور وہ اسلام کی دولت سے محروم رہے۔ بخوبی ممکن ہے منگیر منیر کی تصحیف ہو ، یہ بھی ممکن ہے کہ راجہ مان سنگھ کے ہمراہ میر ابوالعلا کے نانا خواجہ فیضی بھی رہے ہوں اور خود میر ابوالعلا بھی۔

میر ابوالعلا کو حضرت غریب نواز معین الدین اجمیری سے عقیدت پیدا ہوئی ، پھر حضرت کے مزار (۲۱) کی زیارت کی سعادت نصیب ہوئی ، جہاں سے ان کو بڑا فیض ملا ، شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں (۲) کہ ان کے بیٹے میر نور العلا بیمار ہو گئے ، تو مزار کی نذر کے لیے ایک روپیہ اور ایک چادر بھیجی گئی ، امیر ابوالعلا کو اس کی اطلاع نہ تھی ، ایک روز اس مزار کی طرف متوجہ تھے ، اندر سے یہ آواز آئی ، کہ اتنی نیاز آپ کے گھر سے آئی اور بیٹے کی صحت اور دوسرے بیٹے کی پیدائش کی درخواست تھی ، اس التماس کی طرف توجہ ہے ، یہ بھی سنا گیا کہ اس مزار سے یہ خطاب ہوا کہ یہ نعمت جو آپ کو ملی دو سو یا تین سو سال کے بعد کسی ایک خاص بندے و عنایت ہوتی ہے ، چنانچہ اس زمانے میں ہمیں عنایت ہوئی ، اس کے بعد وہ آگرہ تشریف لائے (۲۳) اور وہاں سید جعفر بن امیر زین العابدین (۲۴) بن امیر تقی الدین محمد کرمانی کے مزار پر گئے ، اور وہاں انھیں اپنے عم بزرگوار امیر عبداللہ سے بیعت ہونے کی تلقین ہوئی : انفاس العارفین ص ۲۱ میں ہے :

" بعد ازان از قبر سید جعفر حفید سید تقی الدین کرمانی مذکور تحریض بر مبایعت امیر عبداللہ عم بزرگوار حضرت میر ابوالعلی واقع شد۔"

اس بیان میں نیز دوسرے اور بیانات میں میر ابوالعلا کے پیر کا نام سید عبداللہ ملتا ہے - اذکارِ احرار جدید (۲۵) سے معلوم ہوا کہ حضرت کے چچا میر عبداللہ برہان پور کے صوبہ

دار تھے اور وہ وہاں سے تشریف لا رہے تھے ، اور انھی سے سیدنا ابوالعلا کو مرید ہونا تھا ، انفاس العافین میں حضرت حافظ سید (۲۶) عبداللہ سب سے پہلے صاحبِ ترجمہ ہیں ، وہ قصبہ کھیڑی ناحیہ بارہہ (۲۷) کے رہنے والے تھے ، جو بظاہر ابوالعلا کے چچا سے الگ شخص ہیں۔

امیر ابوالعلا کے چار فرزند بتائے جاتے ہیں جن میں سب سے بڑے سیّد نورالعلا تھے امیرالعلاء کے بارے میں متعدد روایات کے وہی راوی ہیں (۲۸) ، سید نور العلا کے ایک فرزند امیر نور اللہ کا ذکر ملتا ہے ، انھوں نے اپنے دادا کی تاریخ وفات بھی منظوم کی تھی ، دوسرے فرزند فیض العلا تھے جن کے ایک بیٹے تاج العلا (۲۹) کا بھی ذکر ملتا ہے ، مخبرالواصلین (۳۰) میں میرابوالعلا کے فرزند میر فیض اللہ کی تاریخ وفات ۱۰۸۱ھ پر ایک قطعہ درج ہے ، بخوبی ممکن ہے کہ فیض العلا کے نام سے بھی جانے جاتے ہوں ، قطعہ یہ ہے :

آنکہ او مظہرِ صفا بودہ ۔۔۔ خلفِ میر ابوالعلا بودہ

قطبِ آفاق میر فیض اللہ ۔۔۔ جعل اللہ فی الجنان مثواہ

سلخِ ذی قعد بود و آدینہ ۔۔۔ کہ گزشت آن عزیزِ دیرینہ

سالِ ترحیلِ او سروشِ الہ ۔۔۔ گفت : "نسبِ جنان بفیض اللہ" (۱۰۸۱)

امیر ابوالعلا کی وفات ۹ صفر ۱۰۶۱ھ میں ہوئی ، ان کی تاریخ وفات کے متعدد قطعے ملتے ہیں جن میں مخبرالواصلین کا قطعہ یہ ہے (۳۱) :

آنکہ او با دلِ صفا بودہ ۔۔۔ در جہان میر ابوالعلا بودہ

ثمرۂ القلب احمدِ مختار ۔۔۔ قرۃ العینِ خواجۂ احرار

ذاتِ او بود مصدرِ عرفان ۔۔۔ قلزمِ فیض و معدنِ احسان

صبح سہ شنبہ و نہم ز صفر ۔۔۔ بود کان قطبِ وقت کرد سفر

گفت سالِ وصالِ او مظہر ۔۔۔ "بوالعلا مہرِ جنّتِ اکبر" (۱۰۶۱)

سالِ آن خسروِ ولایتِ عدن ۔۔۔ شد رقم "آفتابِ جنّتِ عدن" (۱۰۶۱)

سالِ شنقارِ آن ولیِ زمان ۔۔۔ "شاہبازِ بہشتِ والا خوان" (۱۰۶۱)

سالِ شنقارِ آن عزیزِ جہان ۔۔۔ شد رقم "شاہباز خلد مکان" (۱۰۶۱)

روضۂ او بہ اکبر آباد است ۔۔۔ جای فیض و مقامِ ارشاد است

تاریخ از حضرت امیر نور اللہ (۳۲) نبیرۂ حضرت سیدنا :

در سنہ الف و واحد و ستین ۔۔۔ شد مقامش مقامِ علیین

یافت تاریخِ او دلِ غمناک[ع] ۔۔۔ "رفت قطبِ زمان بعالمِ پاک" (۱۰۶۱)

سیدابوالعلا کے خلفاء اور مریدوں کی (۳۳) بڑی تعداد بتائی جاتی ہے ، ان میں سے مثلاً

ع "غمناک" کے عدد (۱۱۱۱) کے دل یعنی گیارہ کے تعمیے سے مطلوبہ سنہ حاصل ہوتا ہے۔

ولی محمد بڑی شخصیت کے مالک تھے ، ان کے بارے میں شاہ ولی اللہ نے انفاس العارفین میں لکھا ہے (۳۴) کہ سید کے خلفاء میں ان کا وہی مرتبہ تھا جو حضرت نظام الدین اولیاء کے خلفاء میں شیخ نصیرالدین چراغ دہلی کا تھا - خلیفہ ابوالقاسم اکبرآبادی کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"مخفی نماند کہ خلیفہ ابوالقاسم دامادِ ملّا عمر بودند ، کہ یکی از علماء معتبر آن زمان بودند و برشرح ملّا حاشیہ دارد ، بخدمت حضرت میرا ابوالعلی نیز رسیدہ بودند و شاگرد ملّا ولی محمد (۳۵) بودند کہ ایشان نیز اعیانِ آن زمان و از کبار خلفاء حضرتِ امیر بودند ونسبت ایشان درمیان خلفاء حضرتِ امیر چون نسبت شیخ نصیرالدین بود درمیان اصحاب حضرت نظام الدین قدس سرہ و مدفن ایشان در اکبرآباد است۔"

شاہ ولی اللہ دہلوی نے انفاس العارفین (ص ۲۳) میں ایک اور واقعہ لکھا ہے ، ان کا قول ہے کہ حضرت ایشاں (شاہ عبدالرحیم پدر شاہ ولی اللہ) فرماتے ہیں کہ حضرت خلیفہ (ابوالقاسم) کی رسائی حضرت ابوالعلا کے یہاں تھی ، وہ آتے جاتے تھے لیکن (ان سے بیعت کی سعادت نہ تھی) بلکہ ملا ولی محمد سے بیعت تھے اور استفاضہ فرماتے ، ایک روز حضرت امیر (ابوالعلا) نے فرمایا کہ ہم سے بیعت کیوں نہ کی ، انھوں نے جواب میں فرمایا کہ خدمتِ ملّا ولی محمد بھی آپ کی خدمت کا مظہر ہے اور چونکہ اس عاجز (خلیفہ ابوالقاسم) نے ان سے تحصیلِ علم کی ہے اور ان سے الفت پیدا ہو گئی ہے ، اسی وجہ سے انھی سے بیعت کر لی ، حضرت نے تبسّم فرمایا اور تحسین کے کلمات کہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی کے والد بزرگوار شاہ عبدالرحیم ، ابوالعلا کے خاندان کے متوسلین میں تھے ، انفاس العارفین میں ہے (۳۶):

مخفی نماند کہ حضرت ایشان بہ امیر نور العُلیٰ بسیار صحبت داشتہ اند و از آنجناب کلاہی و خرقہ یافتہ اند۔

حضرت ابوالعلا کے خوارق و کرامات کے بہت سے واقعات کتابوں (۳۷) میں درج ہیں ، چند واقعات کی طرف شاہ ولی اللہ نے بھی اشارہ کیا ہے (۳۸):

ایک شخص کو ایک ٹوپی عنایت کی تھی ، وہ شخص جنگ میں اسے پہنے ہوئے تھا ، دفعۃً تیر اس پر لگا ، تیر کی نوک ٹوٹ گئی ، اور تیر چلانے والا گر پڑا۔

ایک رات دوستوں کی مجلس تھی ، گفتگو ان پر کچھ اثر نہیں ہوا ، وہ متعجب تھے ، ناگاہ شمع بجھ گئی ، اسی وقت کرامت ظاہر ہوئی ، جب تفتیش ہوئی تو معلوم ہوا کہ ایک سود خوار وہ شمع لایا تھا۔

حضرت امیر جذبِ قوی رکھتے تھے ، جب کسی پر توجہ کرتے ، وہ بیہوش ہو جاتا اور مردے کی طرح گر پڑتا، بیان کرتے ہیں کہ گاڑی کا ایک ستور ان سے اتنا متاثر ہو گیا تھا کہ ان کے سامنے آدمیوں کی طرح ادب سے بیٹھتا تھا اور اہلِ طلب کی طرح صحبت میں بیٹھتا ، حضرت کی طرف دیکھتا اور مست ہو جاتا، جوش میں آ جاتا ، بے قرار ہو جاتا تھا - شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس طرح کے بہت سے قصّے روایت کیے گئے ہیں-

اس ضمن میں ایک اور واقعہ مآثر الکرام میں غلام علی آزاد بلگرامی نے میر سید محمد ترمذی کالپوی کے متعلق نقل کیا ہے (۳۹) ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

ایک مرتبہ حضرت میر سید محمد کالپوی کو جالندھر کا سفر درپیش تھا ، آگرہ پہنچے تو امیر ابوالعلا احراری سے شرفِ ملاقات حاصل ہوا- میر سید محمد مجلس میں نیچے بیٹھے ، حضرت امیر اکثر قہقہہ لگاتے تھے ، سید محمد کے دل میں خیال گذرا کہ درویش اور قہقہہ ، کچھ عجیب لگتا ہے ، حضرت امیر نے ان کی طرف دیکھا اور مولانا روم کا یہ شعر پڑھا:

بر بیضۂ دل باش ہان مانندِ مرغِ پاسبان
کز بیضۂ دل زایدت مستی و شور و قہقہہ

اس کے بعد زبانِ مبارک پر لائے کہ ہمارا قہقہہ اسی وجہ سے تھا- میر سید کے بدن پر رعشہ طاری ہو گیا - بڑی مشکل سے ضبط کر سکے، اٹھ کر جالندھر کے سفر پر روانہ ہو گئے - سید صاحب جب سفر سے واپس ہو رہے تھے تو ان کی پالکی امیر ابوالعلا کی طرف خود بخود کھنچتی جا رہی تھی ، اکبر آباد پہنچ کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نقشبندیہ طریقے کی تلقین کی درخواست کی حسبِ خواہش حضرت امیر نے تلقین کی ، کالپی پہنچ کر اسی طریقے کی مشق میں سالوں مشغول رہے، دس سال بعد آگرہ آئے اور ۴ ماہ تک کسبِ فیوض میں مصروف رہے -

حضرت ابوالعلا شریعت کے بڑے پابند تھے ، اس امر میں ادنیٰ انحراف کو روا نہیں رکھتے تھے ، انفاس العارفین (۴۰) میں ہے :

حضرت امیر کا طریقہ سوائے اتباعِ شریعت نبوی اور پیرویِ جادۂ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کچھ اور نہ تھا ، اور اس راستے سے بال برابر انحراف جائز نہیں سمجھتے تھے ، نہ قول میں نہ فعل میں ، اور ان کے شروع کے اصحاب جیسے ملا ولی محمد وغیرہ اسی روش پر قائم تھے ، بعد ازاں ایک جماعت ہوا و ہوس میں پھنس کر فاسد عقاید اور برے اعمال کی حامل ہوئی اور قرآنِ مجید کی اس آیت کے مصداق ٹھہری : وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ مُبِينٌ (۴۱)

حضرت امیر کا دامن اس لوث سے پاک ہے ، مُلّا لطف اللہ جامع مقاماتِ حضرتِ امیر نے زیادہ وضاحت کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے : حاضرین کو حضرت کی مجلس میں وجد ہوتا تھا ، وہ

بےاختیار ہوتا ، لیکن ایسا نہ ہوتا کہ جس میں شریعت کے خلاف کوئی عمل ظاہر ہوتا مثلاً کوئی مزمار وسرود کی آواز پر رقص نہیں کر سکتا تھا، حضرت شاہ عبدالرحیم فرماتے تھے کہ امیر ابوالعلا کے صاحبزادے میر نورالعلا سے زیادہ سچا آدمی نہیں دیکھا گیا ، ان سے میں نے دریافت کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ میرابوالعلا سماع بہت پسند کرتے تھے ، انھوں نے فرمایا کہ مجھے یاد نہیں کہ انھوں نے سماع سنا ہو ، البتہ چند بار اور وہ بھی کسی اور مناسبات سے "وآن ہم بتقریبی بود" (مزید پوچھا) کہ کہتے ہیں میرابوالعلا جس پر بھی نظر ڈالتے یا جس کو اپنا چبایا ہوا پان دیتے وہ بےہوش ہو جاتا ، میر نور العلا نے فرمایا میں نے تو نہ جانے کتنی بار ان کا کھایا پان کھایا ہے لیکن بےہوشی کبھی نہیں ہوئی۔

حضرت ابوالعلا کے بہت سے اقوال کتابوں (۴۲) میں منقول ہیں ، ان میں سے اکثر کے راوی ان کے بڑے صاحبزادے میر نور العلا ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صاف ستھرا شعری مذاق رکھتے تھے ، اکثر حسبِ حال شعر پڑھتے ، اشعار کی تشریح بھی کرتے جس میں نئے نئے نکتے پیدا کرتے تھے ، کہتے ہیں ان کے پسندیدہ اشعار میں یہ شعر تھا جو مرض الموت کے موقع پر انھوں نے پڑھا تھا :

درد از یارم و درماں نیز ہم

دل فدای او شود جان نیز ہم (ص ۲۳)

امیر ابوالعلا بڑے فاضل تھے ، اسلامی علوم پر گہری نظر تھی ، تصوف کا نہایت عمیق مطالعہ تھا ، چنانچہ ان کے مکتوبات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کے نازک سے نازک مسائل کی عالمانہ تشریح کرتے ہیں۔ اکثر مسائل کی توجیہ میں مختلف نقطۂ نظر سے بحث کرتے ہیں ، فلسفہ اور فارسی ادب و شعر میں گہری نظر رکھتے ، بر محل اشعار کے استعمال سے اپنے مفہوم کو زیادہ دلنشین بناتے ، یہ بات نہایت درجہ اہم ہے کہ ویدانت کا کافی مطالعہ تھا ، چنانچہ ایک خط میں اس کے مسائل کی اسلامی تصوف سے اچھی طرح تطبیق کی ہے۔

سلسلۂ تذکرۃ الاولیای ابوالعلائیہ باب اول فی الذکر حضرتِ محبوبِ جلّ و علا سیدنا امیر ابوالعلا قدس سرہ العزیز مرتبہ میر کاظم علی خاں ۲، ۱۳ مطبوعہ حیدرآباد (ص ۱۳) میں حضرت امیر کی حسب ذیل چار تصنیف کا نام بغیر تفصیلات درج ہے (صرف اتنا درج ہے کہ آپ انسانؔ تخلص کرتے تھے اور دیوان باوجود تلاش کے دستیاب نہیں ہوا-)

رسالۂ وجود ، مکتوبات ، دیوان ، ارشادات

میرے پاس میرابوالعلا کے دو رسالے ہیں ، ایک رسالۂ فنای ثلاثہ ہے جس کا تنقیدی متن اس مضمون کے ساتھ شائع ہو رہا ہے ، دوسرا رسالہ ، ان کے مکتوبات کا مجموعہ ہے - مکتوبات

کا یہ چھوٹا مجموعہ کسی محمد دوست نامی شخص نے مرتب کیا تھا، ۱۳۱۱ھ میں سید قادر رضا رضوی ابوالعلائی سابقی کاکوی نے الہ آباد سے ایک نسخہ حاصل کرکے مولوی محمد یوسف کے زیر اہتمام کاکو (ضلع گیا) سے طبع کرایا تھا، نسخہ ناقص ہے، اوراق الٹ پلٹ گئے ہیں، کہیں کہیں عبارت صحیح نہیں پڑھی گئی۔ کل صفحات ۷۹ ہیں۔ اس میں چھوٹے بڑے ۲۱ خط ہیں، ایک جگہ دو خط ایک میں شامل ہو گئے ہیں، اس طرح ان کی تعداد ۲۲ ہو سکتی ہے، ۱۴ مکتوب الیہم ہیں جن میں اکثر ان کے مرید اور شاگرد ہیں۔ ایک ان کے اپنے مرشد معلوم ہوتے ہیں، دو کو برخوردار لکھا ہے، ان میں سے ایک غالباً پوتے ہوں گے، مکتوب الیہم کے نام یہ ہیں:

(۱) عوض بیگ،	مکتوب نمبر ۱، ۲، ۱۱	= ۳ مکتوب
(۲) عبداللہ،	مکتوب نمبر ۳	= ایک مکتوب
(۳) عبداللہ (مرشد)	مکتوب نمبر ۵	= ایک مکتوب
(۴) عبدالعزیز،	مکتوب نمبر ۴	= ایک مکتوب
(۵) دوست محمد،	مکتوب نمبر ۶	= ایک مکتوب
(۶) میاں فتح خاں،	مکتوب نمبر ۷، ۱۶، ۱۷	= ۳ مکتوب
(۷) شیخ ملوک،	مکتوب نمبر ۸	= ایک مکتوب
(۸) دلاور،	مکتوب نمبر ۹، ۱۰	= ۲ مکتوب
(۹) لاڈ خاں،	مکتوب نمبر ۱۲، ۱۳	= ۲ مکتوب
(۱۰) تاج العلا،	مکتوب نمبر ۱۳	= ایک مکتوب
(۱۱) خواجہ محمد صالح،	مکتوب نمبر ۱۵	= ایک مکتوب
(۱۲) مرزا عبداللطیف،	مکتوب نمبر ۱۸، ۱۹	= دو مکتوب
(۱۳) میاں ادراک،	مکتوب نمبر ۲۰	= ایک مکتوب
(۱۴) محمد زاہد،	مکتوب نمبر ۲۱	= ایک مکتوب

میزان = ۲۱ مکتوبات (نمبر ۱۳ مشترک ہے)

سارے مکتوبات عارفانہ، فلسفیانہ اور عالمانہ ہیں اس وجہ سے ان کا مطالعہ خاصے علم کا تقاضا رکھتا ہے، ذیل میں ہر مکتوب کے بارے میں مختصر یادداشت قلم بند کی جاتی ہے۔ اس سے ان مکتوبات کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے گا۔

مکتوب اول باسم عوض بیگ

محبا ، جہان غیر نماست --- ای عزیز مالِ دنیا از دو حالت خالی نیست و نخواہد بود ، کہ پیش از تو ترا خواہد گذاشت یا پس تو بے تو خواہد ماند ، در ہر حالت این طور بیوفا، غدّار و پُر فریب مکّار را دوست داشتن از خرد مندی نبود ، اگر سخن در خویش و اقارب و اولاد داری کہ آنہا دوست تواند برہانِ دوستی طلب کن چنانچہ بے تو نزیستن و ہمراہت روان شدن ویا ترا نگذاشتن و اگر دشمن اند بدشمن یکجا بودن از ہوش مندی دور است --- اگر بخاطرت عشق ظاہر برسد کہ نا قصان --- عشق را بدلیل تاویل کردہ اند ، آگاہ باش تاکہ نظرت برخط و خال است از خزانہ علوی جمال در پای شہوت پایمال ، ہمیشہ در وبال و از ذوقِ دنیا محروم و در روز آخرت مجروم ، --- پس سالک را باید کہ احتراز ازیں ہم داشتہ خود را ہمیشہ بکار نگاہ دارد چنانچہ حق شناس بارہا آزمودہ کہ از لذّات دنیا و عقبیٰ از مشغولیِ مولا محروم می ماند و سالک ضایع میگردد بنا برین سخنی چند برقم آوردہ میشود کہ قطاع الطریق سالک درین طریق سخت و بدتر ازیں کار ہیچ کار نیست ---

--- عزیزا ، غرض ازین گفتگو یکحرف است کہ از معنی غنی شو ، باکسی نگردی ، دخود را فانی ساز تا باد باقی گردی ---جملہ اسبابِ ہستیِ موہوم کہ درنظرت ہست نماست ، عارضی است ، بجز فنا شدن چارہ ٔ ندارد ، شنیدہ باشی کہ فرمودہ اند طالبِ دنیا زن است ، طالب عقبیٰ مخنّث ، طالب مولی مرد --- و سببِ حصولِ آن فنا اندر فنا صوفیہ تذکّر و تفکّر گویند --- اگر شخصی مجرد تذکّر بکند یا شغل و چلّہ و مراقبہ حصول آن توہّمی و وسوسہ بود کہ کم حوصلگان آن را تجلّی نامند و قانع گشتند و اگر مجرد در فکر رود و توحید و تصرف مستغرق گرد دسخنی است بی مغز کہ بحلق فرد نرودد ہیچ ذوق ندہد --- پس تحقیق شد کہ ہر دو لازم ملزوم است چنانچہ روغن و آتش کہ بی ہر دو چراغ را روشنائی ممکن نبود ، و یقین آن برادر باد کہ ازیں دوست ، گشتی بجز تحت اقدام کامل مکمل وقتیٖ خود را صرف کردن ہیچ وجہ دست دادن ممکن نیست ، حق شناس ہمیشہ درہمہ حال از خود منفک نداند ، اللہ بس باقی ہوس -

پہلا خط عوض بیگ کے نام

اے دوست ، دنیا غیر ظاہر ہوتی ہے ، اے عزیز مالِ دنیا دو حالت سے نہ خالی ہے اور نہ خالی ہوگا دنیا تیرے سامنے تجھ کو چھوڑ دے گی اور تیرے بعد تیرے بغیر باقی رہے گی ، ہر حال میں اس طرح کی بیوفا ، غدّار ، پُرفریب ، مکّار سے دوستی رکھنا عقلمندی نہیں ، اگر خویش و اقارب و اولاد کی بات ہے کہ وہ تیرے دوست ہیں تو اس کے لیے دلیل چاہیے ، جیسے تیرے بغیر نہ جینا ، تیرے

ساتھ روانہ ہونا یا تجھے نہ چھوڑنا ، اور اگر دشمن ہیں تو دشمن کے ساتھ رہنا خردمندی نہیں ، ---
اگر تیرے دل میں عشق پیدا ہوتا ہے جس کو ناقص حضرات بدلیل تاویل کرتے ہیں ، خوب سمجھ لے کہ جب تک تری نظر خط و خال پر ہے تو خدائے یکتا کے خزانے سے شہوت کے پاؤں کے نیچے کچلا جاتا رہے گا ، اور ہمیشہ وبال میں رہے گا ، دنیا کے ذوق سے محروم ، آخرت میں مجرم و ملزم ، پس سالک کو چاہیے کہ اس سے احتراز رکھیں اور اپنے کو (اللہ کے) کام میں مشغول رکھیں۔

چنانچہ عارفوں کا آزمودہ ہے کہ جو دنیا و عقبیٰ کی لذتوں میں مشغول ہوتا ہے وہ مولا کی مشغولی سے محروم ہو رہتا ہے ، اور اس طرح اپنے کو برباد کرتا ہے ، اسی غرض سے چند باتیں تحریر کی جا رہی ہیں۔

اے عزیز ! اس گفتگو کا منشا صرف اس قدر ہے کہ اس بات سے تو اتنا غنی ہو جائے کہ کسی کے پاس جانے کی حاجت نہ رہے ، اپنے کو فنا کر ڈالے تاکہ اس کے ساتھ مل کر تجھے بقا حاصل ہو جائے ، دنیوی زندگی کے سارے اسباب وہمی و فرضی ہیں جو تیری نظر میں "ہست نما" ہیں یہ سب عارضی ہیں ، فنا ہونے پر مجبور ہیں ، تم نے سنا ہی ہو گا کہ کہتے ہیں دنیا کا طلب گار عورت ہے ، عقبیٰ کا "مخنث" (نہ مرد نہ عورت) اور مولا کا طالب "مرد" ہے اور اس کے حصول کا ذریعہ فنا در فنا ہے جو ذکر و فکر سے حاصل ہو سکتا ہے ، اگر کوئی شخص محض ذکر یا شغل ، چلّے اور مراقبے سے حاصل کرنا چاہتا ہے تو یہ توہّم اور وسوسہ ہے جس کو کم حوصلہ لوگ تجلّی قرار دیتے ہیں اور اسی پر قناعت کرتے ہیں ، اور اگر صرف فکر ہو اور وہ شخص توحید و تصرف میں مستغرق رہتا ہو ، تو یہ بھی حقیقت سے خالی ہے یہ قابلِ قبول نہیں اور لطف سے پرے ہے ، پس معلوم ہوا کہ ذکر و فکر دونوں لازم و ملزوم ہیں جیسے تیل اور آگ ، دونوں کے بغیر چراغ جلنے کا سوال ہی نہیں۔

اے برادر ، آپ کو کیسے یقین دلاؤں کہ یہ بڑی دولت بجز کسی عارفِ کامل کی جوتیاں اٹھائے کسی اور طرح سے حاصل نہیں ہو سکتی ، عارف ہر حال میں اپنے سے جدا نہیں جانتا۔ اللہ بس باقی ہوس

مکتوب دوم باسم عوض بیگ و دریا خاں

محبانِ یک رنگ عوض بیگ و دریا خاں ! دریا خاں در ذکر مدام و فکر تمام مستغرق بودہ از ہستی موہوم فانی بہ ہستی لایزال باقی گردند ، محبا ! ظہورِ چند روزۂ موہوم را بہ لعب و لہو موہوم گذرانیدن از خرد معاد دور است ، از جان و دل کوشش نما کہ ہستی موہومت فنا گردد تا عوض آن دریای ملکوت یابی ، و چنداں خوض نمای کہ از انانیت ملکوتی ہم بجہی تا عوض آن بدریای اعیان ثابتہ جبروت بری ونیز در آن غرّہ نشوی و متلذّذ نگردی و تلاش نمای کہ ظرف حقیقت نورانی جبروت

محو و پارہ گردد و تا عوضش بلطافت بیکیفی لاہوت متصف شوی --- و باید کہ بمجرد رسیدن نوشتہ دریا خان روانہ حضور نماید کہ بی حضور رسیدن حضور یافتن ممکن نبود۔

دوسرا خط عوض بیگ و دریا خاں کے نام

مخلص دوستو! عوض بیگ و دریا خاں ، دریا خاں ذکر و فکر میں ہمیشہ مستغرق رہ کر ہستی موہوم فانی سے گذر کر ہستی لایزال باقی کی طرف برابر متوجہ رہیں ، عزیز دوست ، چند روزہ زندگی کو لہو و لعب میں گزار دینا عقل سے بعید نظر آتا ہے ، جان و دل سے کوششیں کر تاکہ یہ موہوم ہستی فنا ہو جائے ، اور اس کے بدلے تجھے ملکوت کا سمندر مل جائے اور غور فکر کرتا رہ تاکہ ملکوتی انانیت سے آگے بڑھ جائے اور اس کے بجائے جبروت کے اعیان ثابتہ کے سمندر تک تو پہنچ جائے ، لیکن اس پر تجھے غرّہ نہ ہونا چاہیے ، اور نہ لذت یاب ، اور اتنی کوشش کر کہ جبروت کی نورانی حقیقت بھی ختم ہو جائے اور اس کے بدلے لاہوت کی بے کیف لطافت تجھ کو مل جائے --- اس خط کے پہنچتے ہی دریا خاں کو حضور کی خدمت میں پہنچ جانا چاہیے اس لیے کہ بغیر حضور کے حضور یابی ممکن نہ ہو گی۔

مکتوب یازدہم باسم عوض بیگ

محب یکرنگ عوض بیگ ہمیشہ باین رنگ ہمرنگ بودہ بیرنگ باشند ، آنچہ بظہور تعلق دارد بے حضور برقم آوردن محال است ، فاما بطریق قدما چند سخن کہ نسبت صوفیہ است بقلم آوردہ شد تا آن محب در مطالعہ آوردہ محاسبۂ احوال و افعال و اقوال در میزان عقل معاد اندیشہ سنجد کہ منبع ظہور عنایت و مفاتح کنوز غیب را بعدد انفاس خلایق نسبت کردہ چنانچہ بعضی عدد انفاس را پاس انفاس قرار دادہ اند یعنی از انفاس بے یاد حق برآمدن ندہد --- غرض کہ اتفاق جملہ عارفان کامل و مکمل برین است کہ بی ترکِ دنیا کارِ شریعت نتوان کردن و بی ترکِ حبِ دنیا کارِ طریقت نتوان کردن و بی ترکِ ہستی وجودِ موہوم کارِ حقیقت نتوان کردن و بی ترکِ انانیتِ روح کارِ معرفت نتوان کردن ---

گیارہواں خط بنام عوض بیگ

مخلص دوست عوض بیگ عرفان کے رنگ میں بیرنگ ہیں ، جو کچھ ظہور سے متعلق ہے بے حضور تحریر میں لانا محال ہے ، پھر بھی قدما کے انداز میں چند باتیں عرض کی جا رہی ہیں تاکہ وہ دوست

اسے پڑھے اپنے احوال ، افعال اور اقوال کو اچھی طرح پرکھ سکے ۔ لوگوں نے عنایت ایزدی کے ظہور اور خزاینِ غیب کی کلید کا تعلق لوگوں کی انفاس کی تعداد سے بتایا ہے ۔ بعض حضرات نے عدد انفاس کو پاس انفاس قرار دیا ہے ، اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی سانس بغیر یاد حق کے آتی جاتی نہیں (خط کے آخری حصے میں اس طرح کے اضافے ہیں) سارے کامل عارفوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بے ترک دنیا شریعت کا کام نہیں ہو سکتا ، اور جب دنیا کچھوڑے بغیر طریقت کا کام نہیں ہو سکتا ، اور ہستی وجود موہوم کے چھوڑے بغیر (یعنی بغیر فناء ذات) کارِ حقیقت نہیں ہو سکتا ، اور روح کی انانیت ترک کیے بغیر معرفت ممکن نہیں۔

مکتوب سوم باسم عبداللہ

محب یکرنگ در شہود با سکر باشند ، شعر:

ہر مرتبہ از وجود حکمی دارد
گر فرقِ مراتب نکنی زندیقی

محبا ایزد متعال در زمین و آسمان ، مشرق و مغرب کوہ و صحرا و حجر و شجر نیست ، در توئی تو است ، از خود گذر ، در خود نگر ، مشرک مشو ، بیراہ مرو --- ہرچہ در زمین و آسمان علوی است ہمہ در وجود تست ، اوّل خود راشناس چون خود را شناختی بخود شدی ، چون بخود شدی آنچہ گم کردہ بودی و می جستی در خود بخود یافتی ، من عرف نفسہ فقد عرف ربہ

تیسرا خط عبداللہ کے نام

مخلص دوست آپ شہود میں مستی کی حالت میں رہیں ، شعر (ترجمہ) :
وجود کے ہر درجے کی الگ خصوصیت ہے ، اگر ان کی شناخت نہ ہوئی تو پھر شخص کافر ہو جاتا ہے
اے دوست ! خدائے بزرگ و برتر زمین و آسمان ، مشرق مغرب ، کوہ و صحرا پیڑ پتھر میں نہیں ، خود تجھ ہی میں ہے ، خود سے آگے بڑھ جا ، اپنی ذات میں غور وفکر کر ، مشرک نہ ہو ، غلط راہ پر نہ چل --- پہلے اپنے آپ کو پہچان جب اپنے کو پہچان لیا تو بخود ہو گیا ، اور جب بخود ہو گیا تو جس چیز کی تلاش تھی وہ حاصل ہو گئی ، جس نے اپنے کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔

مکتوب چہارم باسم عبدالعزیز

خلاصۂ دودمان منشأ ظہور عین و عیان ، سُلالۂ خاندان مبدءِ سلوک و عرفان میر عبدالعزیز بہ صفائی

عزیز متصف گشته عزیز گردند ، محبا پیش روان شدن یک بیت مولوی معنوی جامی قدس سره را معنی خواسته بودند ، چون خود بسرعت روانه گشتند بنا برآن کلمۂ چند بسبیل تکلموا علی قدر عقولھم بیان نموده اند ، اگر اتفاق حضور خواہد افتاد حسب احوال محب خواہد گشت شعر

بہر دم تازہ نقشی می نماید ولیکن نقشبندی را نظاید

مصرعۂ اول نمود لیل و نہار می نماید --- و مصرعۂ دوم ردّ قولِ دہریہ و اہلِ نجم می نماید یعنی اگرچہ استعداد صفات والوان خود دارند اما سزاوار صانعی نیستند کہ صانع الوان و احوال آنہارا قادر مطلق است --- برین نہج نیز می گویند ، آنہا خود نقش نہ بندند و سزاوار نقش بندی نیستند ، نقشبند دارند کہ این ہمہ نقش ہا ، ونیرنگیہا از وست ، اللہ بس ماسوا ہوس۔

چوتھا خط عبدالعزیز کے نام

کائنات کی تخلیق کے موجب (جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاندان کے خلاصہ ، سلوک و عرفان کے مبدء (جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم) کے خانوادے کے برگزیدہ ، میر عبدالعزیز نورِ عرفان سے متصف ہو کر عزیز رہیں ،

محبِ گرامی ، روانہ ہونے سے قبل آپ جامی کی بیت کے معنی پوچھے تھے ، چونکہ آپ جلدی چلے گئے ، اس شعر کی تشریح کے سلسلے میں چند باتیں درج کر رہا ہوں ، شعر

بہردم تازہ نقشی می نماید الخ (اگرچہ ہر دم نئے نقش و نگار سامنے آتے ہیں ، لیکن وہ نقش بند نہیں ہو سکتے)

پہلا مصرعہ رات اور دن پر دلالت کرتا ہے ، اور دوسرا مصرعہ دہریہ اور اہلِ تنجیم کا رد ہے ، یعنی کائنات کے نقش و نگار بڑے دلکش رنگ بو کے باوجود وہ صانع نہیں ہو سکتے ، ان کا صانع قادر مطلق ہے --- اس طرح بھی اس کی تشریح ہے ، اشیاء کائنات خود نقش و نگار نہیں پیدا کر سکتے یعنی نقش بندی کی صلاحیت نہیں رکھتے ، البتہ ان کا نقش بند (صانع) ہے اور کائنات کی رنگا رنگی اس کی قوتِ خالقہ کا نتیجہ ہے ۔ اللہ کافی ہے ، اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ ہوس ہے۔

مکتوب پنجم باسم عبداللہ (۴۳)

بندۂ خاکسار بی مقدار ذرہ وار عرض می دارد کہ از سبب بازی فرزین فلک کجرفتار غدّار چنان در لایۂ غفلت فیل وار در ماندہ کہ بی اسپ توجہ آن شاطر ہادی چون پیادہ وا ماندہ و از خار زار دشت طبایع نا سوتی رخ بدان بساط جبروتی و از کشت زار عنصری بشاہراہ لاہوتی جان تواند رسانید--- اطناب گستاخی را از روی ادب ترک گرفتہ آنچہ رقم رفتہ است امید عفویت است والسلام والاکرام؛

اللہ بس باقی ہوس۔

پانچواں مکتوب عبداللہ کے نام

بندۂ خاکسار بی مقدار عرض پرداز ہے کہ فلکِ کج رفتار کی غدّاری نے مجھ کو ایسی غفلت میں پھنسا رکھا ہے کہ بغیر آپ بزرگوار کی توجہ کے میں اس بکھیڑے سے آزاد نہیں ہو سکتا، ناسوتی طبایع کے خار زار سے بساط جبروتی تک پہنچنا ممکن نہیں اور عنصری کشت زار سے لاہوتی شاہراہ پر نہیں جا سکتے۔ امید ہے کہ میری اس طرح کی تحریر کی گستاخی کو معاف فرمایا جائے گا، والسلام

چھٹا مکتوب دوست محمد کے نام ہے، اس چند سطری خط کا مفہوم چند لفظوں کی غلط طباعت کی وجہ سے واضح نہ ہو سکا، اس کے شروع میں ان کے نوازش نامے کے ملنے کا ذکر اور آخر میں التفات نامے کے جاری رکھنے کی استدعا ہے۔

مکتوب ہفتم باسم میاں فتح خاں

اس مکتوب میں شہود اور رویت کی بحث ہے، ذیل میں بعض حصے درج کیے جاتے ہیں:

محبِ خاص میاں فتح خاں خوش وقت باشند، محبا! روزی در رویت و شہود مخلص درمیان آوردہ بود بنا بران کلمۂ چند بشما رقم افتاد تا در غلط نافتید کہ راہ بس باریک است، بدان کہ علمای ظاہر چون بشہود رسیدہ اند شہود و رویت را فیصل نکردہ، عارفان را می گویند کہ راہ غلط کردہ خطا نمودہ اند کہ در دارِ دنیا بحق رسیدن ممکن نیست و بعضی فقراء باب اللہ بہ شہودیکہ یک دو مرتبہ رسیدہ یا ازپیران شنیدہ و از کُتب ایشان احوالات مکاشفات در نظر درآمدہ آنہا نیز شہود کردہ از گرگی وقت بکنہ حقیقت نرسیدہ میگویند کہ علمای ظاہر ناقص اند و رویت حق در دارِ دنیا ممکن است، یعنی ما ناظریم، شعر:

امروز چون جمالِ تو بی پردہ ظاہر است
در حیرتم کہ وعدۂ فردا برای چیست

ساتواں مکتوب باسم میاں فتح خاں

میرے مخصوص دوست میاں فتح خاں، خوش رہو! اے دوست! ایک روز اس مخلص نے رویت اور شہود کا ذکر کیا تھا، اسی مناسبت سے تم کو چند باتیں لکھ رہا ہوں تاکہ تم کو غلط فہمی نہ ہو اس لیے کہ یہ معاملہ بہت نازک ہے۔

جاننا چاہیے کہ علماء ظاہر جب شہود پر پہنچے ہیں تو شہود و رویت کے درمیان امتیاز نہیں کر سکے ہیں ، اسی وجہ سے ان کا خیال ہے کہ عارف حضرات راہ راست پر نہیں ، ان سے غلطی ہوئی دنیا میں خدا تک پہنچنا ممکن نہیں ، اللہ کے در کے بعض درویش جو ایک دو مرتبہ شہود تک پہنچے ، یا اپنے پیروں سے سنا یا احوالات و مکاشفات کی کتاب پڑھی ، وہ لوگ بھی اس کی حقیقت تک نہ پہنچے اور کہنے لگے کہ علمائے ظاہر کا خیال صحیح نہیں ، دنیا ہی میں رویتِ حق ممکن ہے اور ہم دیکھنے والے ہیں:

(ترجمہ شعر) آج دنیا ہی میں تو بے پردہ آنکھوں کے سامنے ہے ، تو مجھے حیرت ہے کہ جمال خداوندی کی دید کا جو کل وعدہ ہے تو پھر وہ کس لیے ہے۔

سولھواں مکتوب بھی فتح خاں کے نام ہے جس میں خواجگانِ نقش بندی کے گیارہ اصولِ طریقت کی تشریح ہے۔

محب الفقرا میاں فتح خاں با جمعیت باشند ، محبا ! نسخۂ رشحات (۴۴) مطالعہ می نمودیم ، یازدہ کلمہ کہ بنای طریقتِ خواجگانِ نقشبندی قدس اللہ اروا حہم است ، چوں روندۂ راہ انہا لاچار است بشمانیز رقم افتادہ ، آں یازدہ کلمہ اینست :

ہوش در دم نظر بقدم سفر در وطن خلوت در انجمن یادکرد بازگشت
نگاہداشت یادداشت قوتِ زمانی قوتِ عددی قوتِ قلبی

مکتوب ہفدہم باسم فتح خاں

مقبولِ مقبولاں فتح خاں با جانِ آشنا گشتہ عینِ جانان گردد ، محبا ! چون از دیدہ فنا و شہود بنگری جان و جانان فرق ندارند چنانچہ اوّل جا بود کہ کان اللہُ ولم یکن معہ شئی ، وآخر نون خواہد ماند کہ " کلّ شئی ہالکٌ الاّ وجہہ " اشارت برآں است یعنی جا اشارت برجاودانی است و نون اشارت بر نیستی و یا نون اشارت بر نابودی ، یعنی این نابود بود نما کہ درنمود است ، --- معنی بیت خواجہ حافظ قدس سرہ سوال کردی جواب نوشتم ،

بیت

تیری کہ زدی بردلم از غمزہ خطا رفت
تا باز چہ اندیشہ کند رای صوابت

یعنی تو چہ تجلّی کردی کہ آثار آں ہم پیدا نہ شد و حاصل نگشت ، مصرعۂ ثانی ، تاباز الخ یعنی باز آن تجلّی برمن خواہی کرد یا نہ ، فکر راست تو درباب من چہ اندیشہ خواہد نمود

سترہواں مکتوب فتح خاں کے نام

اے مقبولوں میں مقبول فتح خاں تو میرے دل سے آشنا ہو کر عین جانان ہو گیا ہے ، اے دوست ، اگر فنا اور شہود کی نظر سے دیکھا جائے تو جان اور جانان میں کوئی فرق نہیں ، چنانچہ پہلے " جا" تھا (اللہ تھا اور اس کے ساتھ کوئی اور چیز نہ تھی) اور آخر " نون " رہے گا (ہر چیز فانی ہے سوائے اس کی ذات کے) اسی امر کی طرف اشارہ ہے ، یعنی " جا " کا اشارہ دوام کی طرف ہے ، اور نون کا فنا کی طرف ، یا نون کا اشارہ نابودی کی طرف ، یعنی یہ کائنات جو نظر میں ہے نابود ہونے والی ہے --- تم نے حافظ قدس اللہ کی اس بیت کی تشریح چاہی تھی ، سو لکھ رہا ہوں ، تیرے کہ الخ ، یعنی تیری تجلّی کیسی تھی کہ اس کے آثار ظاہر نہ ہوئے اور کچھ حاصل نہ ہوا ، مصرعۂ ثانی تا بازچہ الخ ، یعنی کیا پھر مجھ پر تیری تجلّی ہو گی یا " نہیں" تیری صائب رائے میرے بارے میں کیا فیصلہ کرے گی۔

مکتوب ہشتم باسم شیخ ملوک

محب اعتقاد شیخ ملوک را بعد از دعاے ازدیاد محبت ، شما در تذکّر و تفکّر ہشیار و خبردار باشید ، تذکّر یعنی نفسی از انفاس بے یاد حق برآمد ندہد --- و تذکّر را از تفکّر منفک نداند بلکہ تفکر را مقدم دارد کہ بلا صانع ہیچ صنعت نیاید۔

آٹھواں مکتوب شیخ ملوک کے نام

مخلص دوست شیخ ملوک ازدیاد محبت کی دعا کے بعد (معلوم ہو کہ) تم کو تذکّر و تفکّر کے معاملے میں بہت ہوشیار رہنا چاہیے ، تذکّر کے معنی یہ ہیں کہ کوئی سانس یادِ حق کے بغیر نہ نکلے (ہر سانس میں یادِ حق ہو) اور تذکّر کو تفکّر سے الگ نہ رکھنا چاہیے ، بلکہ تفکر مقدم ہے اس لیے کہ بغیر صانع کے کوئی صنعت وجود میں نہیں آتی۔

مکتوب نہم باسم شیخ دلاور

برگزیدۂ گزیدگان میاں شیخ دلاور در تذکّر و تفکّر دلاور بودہ باشند ، مخفی نماند کہ کلمۂ چند بطریق تنزّلات مربّی وقت امر کردہ کہ دران سرّیست ، چوں بحضور خواہد رسید مشروح خواہد گشت محبا --- تنزّلاتِ جمال بازگشتِ صفاتِ کمال است یعنی صفاتِ حمیدہ و ذوق و محبت و شہود و ازصفتِ بشری برخاستن " و تخلقوا باخلاق اللہ " شدن --- وفنا فی الشیخ و فنا فی الرسول و فنا فی اللہ

شدن است و بازگشت صفات جلال بصفات جلال است چنانچہ بصفات ابلیس پیوستن --- و تابع نفس بودن است --- غرض ازین پیام آنست کہ سالک بجز روش مربیّ خود از فریب قال بیحال نفس پرستان فریفتہ می شود ، --- پس یقین گشت کہ ہر کہ متابعت صفات جمال کرد بقرب وحدت شہود رسید و ہر کہ متابعت صفات جلال کرد باابلیس و دوزخ رسید ، بدین سبب سالکان شاہراہ چالاکان بارگاہ اللہ انکار کنندؔ متابعت ورزند ، شعر:

مرد می باید کہ باشد سر شناس
تا شناسد شاہراہ ہر لباس

و دیگری بعبارت دیگری فرمودہ : ہر مرتبہ از وجود حکمی دارد
گرحفظ مراتب نکنی ، زندیقی

اللہ بس باقی ہوس

نواں خط شیخ دلاور کے نام

منتخب لوگوں میں سب سے منتخب و برگزیدہ میاں شیخ دلاورا خدا تم کو ذکر و فکر میں بنائے رکھے ، واضح ہو کہ ان چند باتوں میں جو تمہارے مربیّ نے بطور بازگشت کے کہی ہیں ، کہ راز ہےٗ ان کی شرح ملاقات کے وقت بیان ہو گی ، اے دوست عزیز ، جمال کی بازگشت صفاتِ جمال کی طرف ہے ، اس سے مراد اچھی صفات اور شہود کی محبت ہے - رذیل صفات سے دل برداشتگی اور اللہ کے اخلاق سے متصف ہونا ہے، اور فنا فی الشیخ و فنا فی الرسول و فنا فی اللہ ہو جانا ہے ، اور صفاتِ جلال سے مراد ابلیس کی خاصیت پیدا کرنا ، اور نفس پرستی ہے ، اس پیغام کا مقصد یہ ہے کہ سالک اپنے مربیّ کے طریقے کے بغیر نفس پرستوں کے فریب کا شکار ہو جائے گا --- پس یقین ہوا کہ جو صفات جمال کی پیروی کرتا ہے وہ وحدتِ شہود کے قرب میں پہنچتا ہے اور جو صفاتِ جلال کی متابعت کرتا ہے وہ شیطان کا تابع اور دوزخ کا مستحق ہو جاتا ہے- اسی لیے بارگاہ اللہ کے ہوشیار سالک شیطان کی پیروی کے منکر اور خدا پرستوں کے متابع ہوتے ہیں -

(ترجمۂ شعر) آدمی کو واقف کار ہونا چاہیے ، تاکہ اس کو ہر راستے کا علم ہو-

دوسرے شاعر نے دوسری طرح سے کہا ہے :

(ترجمۂ شعر) وجود کے ہر درجے کا الگ حکم ہے ، پس جو ہر درجے کے مراتب سے واقف نہ ہو وہ زندیق و کافر ہے-

مکتوب دہم باسم شیخ دلاور

وثیقۂ مودت مشحون آن مجرد باللہ و متنفرّ عن ماسواء اللہ دلاور بحقیقت شناور بحار حقیقت در احسن ساعات بہجت و مسّرت داد --- در تذکّر چناں ساعی باشند کہ خطرۂ وحدت نفس برزدن نتواند و در تفکّر تمام کوشش نمایند کہ سوای جانان در صحن جان نہ خرامد، شعر:

کہ بہ چشمانِ دل مبین جز دوست
ہر چہ بینی براں کہ مظہرِ او ست

دسواں خط شیخ دلاور کے نام

اس عارف باللہ اور ماسوا اللہ سے متنفرّ، حقیقت کے سمندر کے شناور کی تحریر (خط) اچھے وقت میں پہنچی اور مسرّت اور خوشی کا پیغام لائی، --- تذکّر میں اتنی کوشش کر کہ سانس میں غفلت کا خطرہ باقی نہ رہے، اور تفکّر میں اتنی سعی ہونی چاہیے کہ دل میں سوائے محبوبِ حقیقی کے کسی اور کا خیال نہ ہو۔

(ترجمۂ شعر) دل کی آنکھوں سے سوائے دوست کے کسی اور کو نہیں دیکھنا چاہیے، جس چیز پر نظر پڑے اسے خدا کا مظہر جاننا چاہیے۔

مکتوب دوازدہم باسم لاڈ خاں (۴۵)

محب یکرنگ میاں لاڈ خان بافتح و نصرت باشند، مودت نامہ مشحون یک رنگی پُر عذر رسید، مضمونش مفہوم انجامید، محبا! عالم سہ قسم است، عام، خاص، اخص الخاص --- عام را آشنائی با دنیا ست، خاص را آشنائی موجود باوجود است۔ واخص الخاص را لطیفہ ایست کہ قیام و حرکت و سکنت وجود بدولت است، چنانچہ خواجہ حافظ قدس اللہ سرہ برمزی اشارتِ آن لطیفہ کردہ، شعر:

لطیفہ ایست نہانی کہ عشق زان خیزد
کہ نام آن نہ لبِ لعل و خطِّ زنگاری است

آشنائی با دنیا این معنی دارد کہ شخصی ظالم و زانی و فاسق و مرتد و جاہل و کم اصل و زشت، جملہ افعال خلاف شرع دارد، اگر دنیا دارد تمام مردم دیار آرزو مند اویند۔ بہر کہ سخن کرد گویا الہام شد و اگر بخانۂ مشائخ زمانہ برود آن مشائخ از خوشحالی در پیرہن نگنجد و چندان تواضع می نماید کہ پیغامبر یا روح القدس نزول فرموداست --- و اگر دنیا ندارد مفلس است، اگر بخانۂ کسی برود رسیدن مشکل بود و مردم دیار چنداں حیلہ بلکہ ہزار حیلہ آرند، اگر امیر است بگویند در محل

است و اگر مشائخ است گویند وقت برآمدن نیست ، بخدا مشغول اند ، چوں شرحِ این فرقہ درازی تمام داشت مشروح نوشتہ شد کہ ہمہ ظاہر است ، احتیاج بشرح نیست ---

و آشنائی خاص موجود باوجود ، این معنی است کہ او تاکہ زندہ است یاران و آشنایان با او آشنائی دارند ، وہمیں کہ از چشم عنصر غائب شد گویا کہ از عدم بوجود نیامدہ بود ---

و آشنائی اخص الخاص لطیفہ ایست چنانکہ آشنائی عارفان و خاصان اگر صد سال بلکہ ہزار سال گذشتہ در آشنائی آنہا خلل نہ پذیرفتہ --- خواجہ حافظ قدس اللہ سرہ بعبارت دیگر فرمودہ ، شعر:

خلل پذیر بود ہر بنا کہ می بینی　　　مگر بنای محبت کہ خالی از خلل است

بارہواں خط لاڈ خاں کے نام

دوست مخلص میاں لاڈ خاں ، خدا تم کو کامیابی نصیب کرے- تمہارا پُرخلوص محبت نامہ جس میں عذرِ معقول بھی شامل تھا ، ملا ، اس کا مضمون معلوم ہوا- اے دوست ! دنیا والے تین قسم کے ہیں: عام ، خاص ، اخص الخاص ، عام لوگوں کو دنیا سے تعلق ہوتا ہے ، خاص لوگوں کی محبت موجود یا وجود سے ہوتی ہے- اور اخص الخاص کے متعلق نکتے کی بات ہے کہ وجود کے حرکات و سکنات اسی کی بدولت ہیں- حافظ نے ایک رمز کے ساتھ اسی نکتے کی طرف اس شعر میں اشارہ کیا ہے - شعر (ترجمہ) ایک ایسا باریک نکتہ جو عشق کے پیدا ہونے کا موجب ہے ، وہ نہ لبِ لعل سے متعلق ہے اور نہ خطِ زنگاری سے (بلکہ کچھ اور ہی بات ہے) دنیا سے آشنائی کی حقیقت یہ ہے ، مثلاً ایک شخص ظالم ، زانی ، فاسق ، مرتد ، جاہل ، کم اصل ، برا ، جس کے سارے فعل خلاف شرع ہوتے ہیں ، اگر اس کے پاس دنیا ہے (دنیوی اعتبار سے جاہ و جلال رکھتا ہے) تو اس دیار کے سارے لوگ اس سے ملنے کے آرزو مند رہتے ہیں ، کسی سے بات کی گویا الہام ہو گیا ، اگر اس زمانے کے مشائخ میں سے کسی کے گھر گیا تو وہ شیخ مارے خوشی کے پھولا نہیں سماتا ، اس کی ایسی تواضع ہوتی ہے گویا کہ حضرت پیغمبر علیہ السلام یا حضرت جبرئیل تشریف فرما ہوئے ہیں ، اگر دنیا اس کے پاس نہیں اور وہ مفلس ہے ، جب وہ کسی آدمی کے گھر جاتا ہے تو اسے بار نہیں ملتا ، لوگ سینکڑوں ہزاروں بہانے بناتے ہیں ، اگر امیر ہے تو کہتے ہیں کہ وہ محل میں ہیں (ملاقات نہیں ہو سکتی) ، اگر شیخ ہے تو کہتے ہیں کہ ابھی باہر آنے کا موقع نہیں ، خدا کے ذکر میں مشغول ہیں ، اس فرقے کی شرح بڑی لمبی چوڑی ہے ، زیادہ تفصیل سے نہیں لکھی گئی ، اس لیے کہ نہایت واضح ہے ، شرح کی ضرورت نہیں- آشنائی خاص موجود بوجود کے معنی یہ ہیں کہ جب تک وہ زندہ ہے ، دوست احباب اس سے دوستی رکھتے ہیں ، جہاں اس کی

آنکھ بند ہوئی تو اس کو ایسا بھلاتے ہیں کہ گویا اس کا وجود ہی نہ تھا - آشنائی اخص الخاص نہایت باریک نکتہ ہے ، عارفوں اور خاص لوگوں کی آشنائی کو سو سال ہزار سال گزر جائیں تب بھی ان کی دوستی میں کوئی خلل نہ پڑے گا ، حافظ قدس اللہ سرہ نے دوسرے انداز میں فرمایا ہے : شعر (ترجمہ) جو بھی عمارت آپ دیکھیں گے وہ خلل پذیر ہے ، ایک نہ ایک روز وہ گر ہی پڑے گی ، مگر صرف محبت کی بِنا ایسی ہے جو خلل پذیر نہیں۔

مکتوب چہاردہم باسم لاڈ خاں (۴۶)

محبِ یکرنگ میاں لاڈ خاں درہر باب بافتح و نصرت باشند ، محبا! شرح بیتی کہ سوال کردہ بودند انچہ مرقی وقت امر کرد موافقِ اصطلاحِ صوفیہ کلمۂ چند رقم گشت ، چوں فقراء باب اللہ آنچہ در حالتِ مستی گویند اگر سہوی رود معذور دارند ازین احقرہم اگر سہوی در حالتِ مستی و سکر رفتہ باشد معذور دارند ، بیت :

می گفت در بیابان رندی دہن دریدہ
عارف خدا ندارد او نیست آفریدہ

چودہواں خط لاڈ خاں کے نام

دوست مخلص میاں لاڈ خاں کو خداوند ہر معاملے میں فتح و نصرت سے ہمکنار کرے- اے دوست ! اس بیت کی شرح جو تم نے پوچھی تھی وقت کے مربّی نے اس سلسلے میں جیسا فرمایا صوفیوں کی اصطلاح میں کچھ باتیں تحریر کی جا رہی ہیں ، چونکہ اللہ کے در کے فقیر حالتِ مستی میں جو کہہ گذرتے ہیں ، اگر سہو بھی ہو تو انھیں معاف سمجھا جاتا ہے- فقیر سے بھی مستی اور سُکر کی حالت میں اگر لغزش ہوئی ہو تو اسے معاف کریں ، بیت یہ ہے :

می گفت در بیابان الخ

اس شعر کی تشریح بڑی تفصیل سے کئی صورت میں ملتی ہے ، آخر میں کشف کے معاملے کی ایک دلچسپ مثال پیش کی گئی ہے :

متن

محبا! این ہمہ معاملات کشفی است ، عینی نیست- چنانچہ عارفی کہ پیش زاہد خشک و مردم عام سخن عرفان و شہود بیان نماید و اگر مردم از کور دلی انکار کند بآن حکایت ماند کہ کور مادر زادی بخانۂ یکی مہمان شد ، آن شخص گفت شیر می خوری ، کور گفت : شیر ندیدہ ام کہ در ملکِ ما گادمیش پیدا نمی

شود ، صفت شیر بیان نما ، گفت کہ سفید می شود- کور گفت : چون کورِ مادر زادام نمی فہم ، تمثیل بگو ، اوگفت: برنگ بوتیمار است ، کور گفت : بوتیمار نیز ندیده ام ، آن شخص دست کج کرده صورت بوتیمار نمود ، کور دست بدست او کرد ، چون کجی وسطبری دست را دید ، گفت : این را خوردن و فرو بردن نمی توانم - محبا ، سخن عرفان و شہود و تجلّیات و مکاشفات پیش محرومان شہود و عرفان ہمین طور دارد- اللہ بس ماسوای ہوس-

ترجمہ

اے دوست ، یہ سارے معاملات کشف کے ہیں عینی نہیں ، چنانچہ اگر کوئی عارف کسی زاہدِ خشک یا عام آدمی کے سامنے عرفان و شہود کی بات بیان کرے ، اور اگر وہ لوگ کور دلی سے اس کے منکر ہوں تو ان پر یہ حکایت صادق آتی ہے (۴۷) ، ایک مادر زاد اندھا کسی کے یہاں مہمان ہوا ، اس شخص نے کہا : دودھ سے رغبت ہو گی ؟ ، اندھے نے کہا میں نے دودھ نہیں دیکھا ، ہمارے ملک میں بھینس نہیں ہوتی ، دودھ کی صفت بیان کیجیے ، اس نے کہا: دودھ سفید ہوتا ہے ، اندھے نے کہا: چونکہ مادر زاد اندھا ہوں ، نہیں سمجھ رہا ہوں ، مثال سے سمجھائیے - اس شخص نے کہا کہ بگلے کی مانند ہوتا ہے ، اندھے نے کہا: بگلا نہیں دیکھا ہے ، اس شخص نے ہاتھ ٹیڑھا کرکے بگلے کی شکل بنائی ، اندھے نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ٹٹولا- جب اسے ہاتھ کا ٹیڑھا پن اور سختی محسوس ہوئی تو کہا کہ اس کا کھانا اور نگلنا ممکن نہ ہو گا-

عرفان ، شہود ، تجلّی ، مکاشفہ کی باتیں ایسے لوگوں کے سامنے جو شہود اورعرفان سے محروم ہیں ان کا یہی حال ہے ، اللہ کافی ہے بقیہ ہوس ہی ہوس-

مکتوب سیزدھم باسم تاج العلا (۴۸)

برخوردار ! از آمد شد حباب چند دریا را کمی و غمی نیست ، وچون مقرر گشتہ کہ دریا لایزال و لانہایت است حباب نیز لازمۂ دریا ست ، پس سالکی کہ بدریا رسید دریا شد- چنانچہ از آمد شد حباب دریا را کمی و غمی نیست ہمچنان از آمد و شد حادثات ظاہری سالک را خطره و تفرقہ نباید کہ نظر سالک بردریاست و بصفت دریا موصوف گشتہ بلکہ عین دریا شده

تیرہواں خط تاج العلا کے نام

برخوردار ! چند بلبلوں کے اٹھنے مٹنے سے دریا میں نہ کمی ہوتی ہے اور نہ اس کو کوئی غم ہوتا ہے ، اورچونکہ یہ بات طے ہے کہ دریا نہ زوال پذیر ہے اور نہ اس کی کوئی حدو انتہا ہے ، بلبلہ بھی دریا کا لازمی حصہ ہے - پس جو سالک دریا میں مل گیا تو جس طرح سے بلبلے کے اٹھنے اور

ختم ہونے سے دریا میں کمی اور اس کو کوئی غم نہیں ، اسی طرح دنیا کے حادثات سے سالک کو متاثر نہیں ہونا چاہیے ، سالک کی نظر دریا پر ہے ، اس میں دریا کی صفت آ گئی بلکہ وہ عین دریا ہو گیا ہے -

مکتوب پانزدہم خواجہ محمد صالح کے نام ہے ، اس میں امیر خسرو کی حسب ذیل بیت کی تین طرح شرح لکھی اور اس کے بعد ایک شرح حضرت ایشان کے نام کی ہے :

ز دریای شہادت چون نہنگِ لا برآرد ہو
تیمم فرض گردد نوح را در عین طوفانی

محب صادق و مخلص خواجہ محمد صالح کو مخاطب کرکے لکھتے ہیں کہ خدا تم کو خواجگان کی صفت سے موصوف کرکے صالحین کے درجے تک پہنچائے ، شعر کا پہلا مطلب اس طرح درج ہوا ہے : (اس میں تین مطلب درج ہیں) دریاے شہادت سے مراد عالمِ کون و عالمِ عنصر و عالمِ اجساد --- نہنگ سے فنای عالم اعتباری ، ہو سے مرتبۂ ذات ، طوفان سے کثرت و غیر غیریت مراد ہے ، یعنی جب سالک کے دیدۂ شہود میں نہنگِ لا عالمِ کون و فساد کو فنا کر دیتا ہے تو سالک کو چاہیے کہ وہ بھی اپنی ہستی اور اپنے وجود کو عین کثرت کے طوفان میں فنا کر دے-

خسرو کا یہ پیچیدہ شعر جس کی تشریح میں صفحے کے صفحے سیاہ کیے گئے ہیں (۴۹) شاید وہ حکیم سنائی کے ان اشعار (۵۰) سے مستفاد ہو : (۵۱)

شہادت گوی آن باشد کہ ہم ز اوّل در آشامد
ہمہ دریاے ہستی را بدان حرفِ نہنگ آسا

نہ بینی خار و خاشاکی درین رہ چون بفرّاشی
کر بست و بفرق استاد بر راہ شہادت " لا "

چو " لا " از حد انسانی فگندت بر رہِ حیرت
پس از نورِ الوہیت " باللہ " آی از " الّا "

(کلمۂ شہادت پڑھنے والا وہ ہے جو پورے وجود کی نفی نہنگ آسا حرف " لا " کے ذریعے کر دیتا ہے گویا پہلے ہی وجود کے بڑے سمندر کو نہنگ آسا حرف " لا " کے ذریعے پی کر ختم کر دیتا ہے)

(حرف " لا " شہادت کی راہ میں فراشی کے لیے کھڑا ہوا ، تو اس راہ کے سارے خس و خاشاک صاف ہو گئے)

(جب "لا" نے حدِ انسانی سے لا کر حیرت کے راہ پر ڈال کر بھونچکا کر دیا تو تجھے چاہیے کہ "الا" سے اللہ تک نورِ الوہیت کی روشنی میں آ جائے)

اٹھارہواں اور انیسواں ، دو مکتوب مرزا عبداللطیف کے نام ہیں۔ پہلے میں (یعنی اٹھارہویں مکتوب میں) دنیائے فانی کے وجود بے بود کا بیان ہے ، دوسرے میں ویدانت کے چار درجوں کی تشریح کئی طرح پر ہوئی ہے۔

اٹھارہویں خط میں لکھتے ہیں کہ اے دوست! دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب فانی ہے ، اس کا کوئی اعتبار نہیں ، جیسے کوئی شخص خواب میں لذت و عیش سے اپنے کو ہمکنار دیکھتا ہے ، لیکن جب اٹھتا ہے تو ساری باتیں بجز خواب و خیال کے کچھ نہیں رہ جاتیں ، پس یقین سے جاننا چاہیے کہ بجز ذاتِ حق جو بھی چیز نظر آتی ہے وہ نمود بے بود (ایسی جس کی کوئی بقا نہیں) ہے پس ہستی موہوم کو فانی اور ذاتِ حق کو باقی جاننا اور باقی سمجھنا چاہیے۔

انیسویں مکتوب میں ویدانت کے حسب ذیل چار درجوں (۵۲) کی وضاحت کئی طرح سے کی گئی ہے۔

۱۔ جاگرت • (Jagirt)

۲۔ سُپن • (Supn)

۳۔ سُشُپتیہ • (Sushupati)

۴۔ تُریا • (Turi)

پہلی حالت جاگنے کی ، دوسری حالت گویا خواب دیکھنے کی ، تیسری حالت گہرے خواب کی اور چوتھی حالت جاگنے سونے کی ملی جلی ۔

متن

این چہار مرتبہ مقام و احوال سالک است ------- وچون آن افعال از عقل --- است ، آنرا جاگرت نامند یعنی از خوابِ غفلت و جہل برآمدہ و باہوش کار می کند ، وآنچہ از باطن دل مراقبہ و اشغال و تذکّر و تفکّر می کند آن را سُپن گویند و سُشُپتیہ مرتبہ فناست کہ جمعیت و لذّت و آرام سالک در مرتبۂ فناست ، چون این ہر سہ مرتبہ را طی گردیدہ بگذرد آن سالک را مُردن و زیستن و خواب و بیداری برابر گردد ، چنانچہ در خواب است وہمہ افعال در بیداری ازو صادر می شود آنرا تْریا (= تُریہ) گویند

ترجمہ

(یہ چار درجے سالک کے مقام و احوال کے ہیں ، جب یہ افعال عقل و ہوش کی حالت میں ہوتے ہیں تو اس حالت کو جاگرت کہتے ہیں یعنی غفلت و جہل کے خواب سے بیدار ہو کر

ہوش و حواس میں کام کرتا ہے - اور جو کچھ باطن دل سے مراقبہ ، اشغال ، ذکر و فکر کرتا ہے وہ سُپن (خواب) ہے ، سُشُپتیہ مرتبۂ فنا ہے ، اسی درجے میں سالک کو اطمینان ، لذّت اور آرام ملتا ہے ، جب سالک ان تینوں درجوں سے گذر جاتا ہے تو اس کے لیے مرنا ، جینا ، زندگی ، سونا ، جاگنا سب برابر ہے ، مثلاً خواب میں ہے تو جاگنے کے سارے کام اس سے ہوتے رہتے ہیں ، اس درجے کو تُریہ کہتے ہیں -)

بیسواں مکتوب میاں ادراک کے نام ہے ، اس میں ذاتِ حق میں فنا ہونے کا بیان تمثیلی انداز میں ہوا ہے :

لکھتے ہیں ، اس دوست کو معلوم ہو کہ ذاتِ الطف اللطیف دریائے ناپیدا کنار کے مانند ہے ، عقبیٰ قعرِ دریا ، دنیا کنارے کی مٹی کیچڑ ، انسان کا یقین لکڑی کا برتن ، سمندر سے پانی برسا ، نیچے میں درخت اگا بڑھا ، اس سے برتن بنا ، دریا کا قطرہ برتن بن گیا اور ہستیِ موہوم سے صفاتِ بشری کو محو کرکے دریا کی سطح پر تیرنے لگا ، (دریا کی موجیں جمال اور گرداب جلال ہے) ، اگر برتن کنارے پر مٹی کیچڑ میں پڑا رہ جاے تو پھر دریا میں پہنچنا محال ہو جاتا ہے ، اگر بالاے دریا ہو تو دلنشین لہر ہے ، اگر بھنور میں پڑگیا تو حیرانی و پریشانی سے دو چار ہو گیا ، اگر دریا کے اندر چلا گیا اور استعداد ہوئی تو سمندر کی تہ میں جواہر ، لعل ، ہیرے ، موتی وغیرہ بن گیا ، اور اگر صلاحیت ہو ، توفیق ہو گئی اور دریا کی مہربانی شامل حال رہی تو برتن کی مہر توڑ کر قطرہ سمندر میں مل گیا اور اس طرح عین سمندر ہو گیا ، پس جلال و جمال کی سمائی کا موقع کہاں ؟ اس مضمون کو اس خط میں کئی طرح سے بیان کیا ہے -

اکیسواں خط آخری خط ہے ، یہ محمد زاہد کے نام سے ہے ، اس میں خاموشی اور گویائی کی عارفانہ توضیح ملتی ہے ، فرماتے ہیں ، اے دوست ! ، گویائی اور خاموشی کے بارے میں اس طرح اشارہ ہے ، عارفوں کے نزدیک گویائی ذکر و یادِ حق ہے اور خاموشی خودی ، خودنمائی اور خودبینی ہے ، من عرف اللہَ کلّ لسانُہٗ و من عرف اللہ طالَ لسانُہٗ ، واصلانِ حق کے بارے میں وارد ہے ، اگر تو حقیقی نظر سے دیکھے تو دونوں مضمون یکساں ہیں ، اس کی وجہ یہ ہے کہ جس نے خدا کو پہچانا اس کی زبان گونگی ہو گئی یعنی جو کوئی حق تک پہنچتا ہے تو اس کی نظر سے " غیر " مرتفع ہو جاتا ہے ، اور جب تنہا رہ جائے تو کس سے اور کیا بات کرے ، دوسری صورت یہ ہے کہ جس نے خدا کو پہچانا اس کی زبان دراز ہو گئی یعنی جو حق تک پہنچ جاتا ہے تو اس کی دیدۂ شہود میں غیر ختم ہو جاتا ہے ، جب تنہا رہ جاتا ہے تو جو کچھ اس کے دل میں ہوتا ہے ، بے تکلّف اس کا اظہار کرتا ہے ، اب غیر کا ڈر باقی نہیں -

یہ مختصر سا تعارف میر ابوالعلا کا ہے ، تاریخی مواد کی کمی کی وجہ سے ان کی زندگی کے بعض گوشے روشن نہیں ہو سکے ہیں ، اور خطوط کا مختصر سا خلاصہ جو اوپر درج ہوا ہے وہ بعض اعتبار سے ناقص ہے ، اس لیے کہ مکتوبات کا مجموعہ نہایت مغلوط طبع ہوا ہے ، ضرورت ہے کہ مکتوبات کا ایک اچھا ایڈیشن شایع ہو ، مگر خطی نسخے کمیاب ہیں ، مجھے کچھ یاد آتا ہے کہ کسی کیٹلاگ میں ایک خطی نسخے کا ذکر میری نظر سے گذرا تھا۔ بہرحال ایک آدھ نسخے اور ملتے تو ان کے باہمی مقابلے سے ایک انتقادی متن تیار ہو جاتا - ایسے مشہور و مقبول عارف کی زندگی کے ہر گوشے کو اجاگر کرنا اہل علم کا فرض ہے - امید کی جاتی ہے کہ اہل علم اس طرف توجہ فرمائیں گے۔

حواشی

(۱) ابوالعلا کا املا یہ بھی ہے، ابوالعُلیٰ ، عُلیٰ (Ola) بمعنی بزرگی و شرف ہے ، فارسی املا عُلا ہے (فرہنگِ معین ۲ : ۲۳۳۱) ، عربی میں عَلا (Ala) بمعنی بزرگوار شدن در شرف ، بلندی، شرف (مصدر ، اسمِ مصدر) : اگرچہ عُلیٰ اور عَلاء ہم معنی ہیں لیکن میر ابوالعُلا کے نام میں عُلا (عُلیٰ) ہے ، عَلاء نہیں ، شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتاب انفاس العارفین کے مطبوعہ نسخے میں میر کا نام ابوالعُلی اور میر کے بیٹے کا نام نورالعلی درج ہے -

(۲) میر ابوالعلا کے شجرۂ نسب سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر تقی الدین ان کے پانچویں جد تھے (دیکھیے اذکارِ احرار جدید ، آگرہ ۱۳۵۳ ، ص ۱۳ ، ۱۴)

(۳) انفاس العارفین: شاہ ولی اللہ نے اپنے والد شاہ عبدالرحیم کے حالات ، کرامات ، مکتوبات ، معمولات پر یہ کتاب مرتب کی تھی ، یہ کتاب مطبع مجتبائی دہلی میں ۱۳۳۵ھ میں چھپی ، اس کے ماخذ میں اذکارِ احرار کا نام ملتا ہے -

(۴) یہ کتاب میرے پیش نظر نہیں ، لیکن اذکارِ ابرار جدید (اردو) تالیف مولوی شیخ احمد اللہ عثمانی (طبع آگرہ ۱۳۵۳) میں اس سے خاصا استفادہ ہوا ہے ،

(۵) انفاس ص ۲۱

(۶) یعنی خواجۂ بزرگ خواجہ عبید اللہ احرار سلسلۂ خواجگانِ نقشبندیہ میں بڑے مرتبے کے بزرگ تھے ، جامی کے معاصر تھے اور نفحات الانس کی تالیف کے موقع پر بقیدِ حیات تھے ، دیکھیے نفحات الانس ، تہران ۱۳۷۰ شمسی ص ۴۱۰ بعد شمارہ ۴۵۶

(۷) انفاس ص ۲۱

(۸) یہ واقعات اذکار احرار جدید ص ۱۶ سے ماخوذ ہیں ، انفاس العارفین میں صرف اتنا ہے

کہ یہ قافلہ سفر پر روانہ ہوا اور سفر میں حضرت کی پیدائش ہوئی (انفاس ص ۲۱) -

(۹) یہ تاریخ اذکار احرار جدید میں اذکارِ احرار اور انفاس العارفین کے حوالے سے درج ہے مگر آخرالذکر میں مجھے یہ تاریخ نظر نہیں آئی -

(۱۰) یہ نیا شہر سیکری کے پہاڑی ٹیلے پر پانچ سال کی مدت میں ۹۷۹ ھ میں تیار ہوا تھا ، بدایونی نے ایک تاریخی قطعہ لکھا ہے جس کے آخری مصرعے: " لایری فی البلاد ثانیہا" سے یہی تاریخ ۹۷۹ ھ نکلتی ہے (تفصیل کے لیے دیکھیے تاریخ بداونی ، طبع کلکتہ ، ج ۲ ص ۱۰۹)

(۱۱) اذکار احرار جدید ص ۱۶ - ۱۷ -

(۱۲) انفاس ص ۲۱ -

(۱۳) انفاس ۲۱ میں " پورب " لکھا ہے -

(۱۴) احرار جدید ص ۱۷ میں بردوان کا ناظم بتایا گیا ہے -

(۱۵) اذکارِ احرار جدید ص ۱۷ میں شہادت لکھی ہے -

(۱۶) اکبر و جہانگیر کے زمانے کے مشہور امیر ، پسر راجا بھگوان داس کچھواہا ، دربارِ اکبری سے میرزا راجہ اور فرزندی کے خطاب سے سرفراز ، ۳۴ سال جلوس میں باپ کے انتقال پر خطاب راجگی اور پنج ہزاری منصب ، ۳۵ سال جلوس اڑیسہ کی کمان ، ۱۰۰۸ ھ میں بنگال کی حکومت ، ۴۵ ویں سالِ جلوس شیرپور (بنگال) کا معرکہ اور ہفت ہزاری منصب ، جہانگیر کے جلوس پر بنگال کی حکومت کی بحالی ، دوسرے سال دارالخلافہ کی حاضری ، جہانگیر کے نویں سالِ جلوس یعنی ۱۰۲۳ ھ میں وفات ، اس کی پھوپھی اکبر کے نکاح میں تھی ، بہن شاہ بیگم جہانگیر کے عقد میں تھی ، خسرو اسی کے بطن سے تھا ، اس کی سرکشی کی خبر سے شاہ بیگم نے خود کشی کر لی ، مان سنگھ کی پوتی یعنی جگت سنگھ کی بیٹی ۱۰۱۷ ھ میں جہانگیر کے عقد میں آئی ، دیکھیے مآثر الامراء ۲ ص ۱۶۰ ببعد -

(۱۷) مرزا عبداللطیف کے نام کے ایک خط میں ویدانت کے چار درجوں پر مفصل بحث ملتی ہے -

(۱۸) اس سلسلے کی تفصیل انفاس العارفین ص ۲۱ میں ملتی ہے - چندان بداں وضع نوکری می کردند و بروشِ سپاہیان می بودند و دران اثنا شبی بخواب دید ند کہ سہ بزرگ آمدند وایشان را فرمودند کہ این چہ وضع است کہ بخود قرار دادہ ، وضع اینست کہ ما داریم ، بوضع ما باش و اگر از وجہ معیشت فکری بخاطر می رسد خدای تعالیٰ می فرماید : اللہُ نور

السمٰوات والارض ، بعد از آن یکی از ایشان اُستره گرفته سرایشان تراشیده و دیگری قمیص در ایشان پوشانید و سیمیں دستار کرد و نعلی ایشان را داد ، از آن در خاطرِ ایشاں قلقی و اضطرابی پیدا شد ، خواستند کہ نوکری بگذارند ، اما مان سنگہ مانع می آمد تا آنکہ بحکم "اِذا اَرادَاللہُ شیئاً ہیئاً اسبابہٗ" رفتہ رفتہ اسبابی واقع شدند کہ جبراً یا طوعاً از آن کار فراغت یافتند و در خدا طلبی یک جہتہ و یک روح شدند -

(۱۹) اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ شاید وہ کسی بڑے عہدے پر نہ رہے ہوں گے-

(۲۰) اذکار احرار جدید ص ۲۰

(۲۱) اذکار ص ۲۰ میں ہے کہ وہ پہلے خواجہ بختیار کاکی کے مزار پر گئے تھے ،

(۲۲) انفاس العارفین ص ۲۱

(۲۳) اذکار احرار ص ۲۱-

(۲۴) انفاس العارفین ص ۲۱ میں یہ نام نہیں بلکہ اس کے بجائے حفید (بمعنی پوتا) ہے-

حضرت ابوالعلا میر تقی الدین کرمانی کی اولاد میں تھے ، اور بعض کتابوں میں جو شجرہ ہے اس میں میر مذکور کے بیٹے کا نام عبدالباسط ، ان کے بیٹے کا نام عبدالملک ، ان کے بیٹے کا امیر سید عبدالسلام ملتا ہے جو حضرت ابوالعلا کے دادا تھے- میر جعفر ، میر تقی الدین کے دوسرے بیٹے کی اولاد میں تھے ، آگرے میں ان کی قبر سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ امیر عبدالسلام کے قافلے میں میر جعفر اور ان کے باپ بھی ہو سکتے ہیں-

(۲۵) یہ رسالہ امیر ابوالعلا کے حالات و ارشادات وغیرہ پر مشتمل ہے ، مرتب کردہ شیخ احمد اللہ عثمانی ، عباسی ، حنفی ، قادری ، نقشبندی ، ولی اللہی ، اوزجندی ثم البرنی کا ہے ، ۱۳۵۳ھ میں رفاہ عام پریس آگرہ میں طبع ہوا- دیکھیے ص ۲۲-

(۲۶) ص ۹ - ۱۵ -

(۲۷) فی الحال یہ جگہیں میرٹھ ضلع میں ہوں گی -

(۲۸) دیکھیے اذکار احرار ص ۹۵ ، ۹۶ ، ۹۷ ، ۹۸ ، ۹۹ ، ۱۰۱ وغیرہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امیر نور العلا نے مثنوی معنوی کی شرح لکھی تھی (ایضاً ص ۱۰۱)

(۲۹) تذکرۃ الاولیاء ابوالعلائیہ ص ۱۸

(۳۰) مخبر الواصلین تالیف محمد فاضل حسینی ترمذی اکبرآبادی/ کتب خانۂ المدعو بہ مظہر الحق نذیریہ ، دہلی - ص - ۱۲۳

(۳۱) ص ۸۹ - ۹۰

(۳۲) اذکار احرار جدید ، ص ۱۲۲-

(۳۳) ایضاً، ص ۱۲۳۔

(۳۴) ص ۲۰-۲۱۔

(۳۵) یہ نارنولی تھے، ۱۰۵۷ھ میں وفات پائی، مخبرالواصلین میں یہ قطعۂ تاریخ درج ہے:
(ص ۸۷-۸۸)

آنکہ او مرشدِ خواص و عوام هست اورا ولی محمد نام
نارنولی است آن ستوده شیم دل و دستش بہ از یم ست و دوم
مثلِ او کس ندیده ام واللہ شاغلِ لا الہ الّا اللہ
ز اہلِ چشت آن ولی خدا عَطّر اللہ قبره ابدا
چو بهنگام حال میگردید مست گردید هرکہ اورا دید

گرچہ بی اختیار بر می خاست لیک در اختیار عذرش خواست
آنچنان مست می شدی در حال کہ ندانستی از جنوب و شمال
چون بصحو آمدی هزار هزار بتضرع نمودی استغفار
گرچہ بس شیخ محترم دیدم بچنین وجد و حال کم دیدم
با چنین وجد و حال آخر کار توبہ کرد و نمود استغفار
ذاتِ او بود مصدرِ توحید زیبِ تفرید و زینتِ تجرید
هرگز او بر خلافِ شرعِ رسول نزده دم بگفتگوی فضول
هر کہ از آلِ مصطفیٰ باشد این چنین بادلِ صفا باشد
این فضولان کہ دم زنند ز حال حالِ شان را ببین بہ نقطۂ خال
کشف او برتر است از تحریر خارقش فایق است از تقریر
جمعہ و بست و پنجم از شوال نقل کرد از جهانِ حزن و ملال
سالِ تاریخ نقلِ هجرتِ او مظہر الحق "ولیِ اعظم" گو (۱۰۵۷ھ)
مرقدِ او بہ اکبر آباد است آستانہ زد کمال و ارشاد است
پیشگی گفتہ ام دگر برخوان کہ درو هست سالِ رحلتِ آن
سال بگذشتن آن نیک سرشت
گفت هاتف "قمرِ اوج سرشت" (۱۰۵۷)

(در بحر دیگر)

(۳۶) ص ۲۳۔

(۳۷) مثلاً دیکھیے اذکار ابرار جدید۔

(۳۸) انفاس العارفین ص ۲۲-

(۳۹) دیکھیے مآثر الکرام دفتر اول، طبع مفید عام آگرہ، ۱۹۱۰ء، ص ۸۱ تا ۸۵-

(۴۰) ص ۲۳-

(۴۱) قرآن ۳۷ : ۱۱۳ - اور ان دونوں (حضرت ابراہیم و حضرت اسحاق) کی نسلوں میں بعض اچھے ہیں اور بعضے ایسے بھی ہیں جو صریح اپنا نقصان کر رہے ہیں-

(۴۲) یہ مکتوبات خاصے غلط چھپے ہیں، اس کی وجہ سے اکثر جگہ مطلب سمجھ میں نہیں آتا، اور ایک جگہ دو خط گڈ مڈ ہوگئے، اگر یہ خط صحیح طور پر چھپ جائیں تو ان سے بہت مفید معلومات حاصل ہو سکتی ہیں-

(۴۳) شیخ عبداللہ میر ابوالعلا کے مرشد تھے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آخرالذکر نے یہ خط ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہونے کی غرض سے لکھا تھا، خط کی زبان سادہ اور عام فہم ہے، اور یہ مکتوب بہت مختصر ہے، ظاہر ہے کہ ایسے موقع پر طویل خط لکھنا سوے ادب ہوتا-

(۴۴) رشحات عین الحیات تالیف فخرالدین علی بن حسین واعظ کاشفی متخلص بہ صفی، یہ کتاب ۹۰۹ ھ میں مکمل ہوئی، خاصی مقبول کتاب ہے، جو طبع ہو چکی ہے، ترکی میں بھی منتقل کی جا چکی ہے، ایک مقالہ اور تین مقصد پر مشتمل ہے، مقالہ طبقاتِ خواجگان اور سلسلۂ نقشبندیاں سے متعلق ہے، اور تین مقصد خواجہ عبید اللہ احرار سے (فرہنگ معین ج ۵ ص ۵۹۲)

(۴۵) شیخ لاڈ، میرابوالعلا کے مشہور خلیفہ تھے، تذکرۂ صوفیاے میوات میں آپ کا تذکرہ ہے، ص ۶۱۳ بیعد -

(۴۶) یہ مکتوب اس رسالے میں ایسا الٹ پلٹ کر چھپا ہے کہ پورے خط کا تعین مشکل ہے،

(۴۷) یہ حکایت عام ہے، اور ہمارے یہاں اردو کی ایک مثل کی بنیاد یہی حکایت ہے، وہ مثل یہ ہے: یہ کھیر بہت ٹیڑھی ہے - ہمارے یہاں کی حکایت میں دودھ کے بجائے کھیر کا لفظ ہے - امیر ابوالعلا کے مکتوب میں اس حکایت کے شمول سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ حکایت خاصی پرانی ہے-

(۴۸) ابوالعلا کے ایک پوتے کا نام تاج العلا تھا جو میر کے بیٹے فیض العلا کے صاحبزادے تھے کیا یہ پوتے میر صاحب کی حیات میں اتنے بڑے ہوگئے تھے کہ تصوف کے رمز آشنا ہوں موجودہ معلومات کی روشنی میں اس کا جواب آسان نہیں-

(۴۹) ہندوستان کے آٹھویں صدی کے مشہور عارف سید اشرف جہانگیر سے (جن کا مزار کچھوچھا

ضلع فیض آباد یو۔پی میں ہے) معاصر ابراہیم شرقی بادشاہ نے اسی شعر کی تشریح ایک خط میں چاہی تھی ۔ حضرت کے مکتوبات میں تیئسواں مکتوب اس طرح شروع ہوا ہے :
"سلطان السلاطین سلطان ابراہیم خلّد اللہ ملکہ دعای درویشانہ از درویش اشرف قبول فرمایند ، در نامہ استفسار انجام باز نمودہ بودند کہ سردفتر جریدۂ شعرای روزگار حضرت خسرو علیہ الرحمہ فرمودہ اند : ز دریای شہادت چون نہنگ لا برآرد ہو ابح ارباب و اصحاب شغل در اظہار معانی او جستجو کردہ اند -- اما چنانکہ اطمینان خاطر باشد نمی گویند ، امید کہ مضمون مقولۂ خسروی و مفہوم منقولۂ معنوی کہ تسکین خواطر این زمرہ و تمکین ضمایر بود رقم کردہ بفرستند"، سید اشرف جہانگیر نے اس کے دو مطلب درج کیے ، دیکھیے مکتوبات حضرت سید اشرف جہانگیر ، مخطوطہ سبحان اللہ کلکشن مولانا آزاد لائبریری ، علی گڑھ نمبر ۲۹۷/۱۶۷ ، ورق ۵۵ بعد ۔

(۵۰) یہ سنائی کے ایک مشہور عرفانی قصیدے سے ماخوذ ہیں جس کا مطلع یہ ہے :

مکن درجسم و جان منزل کہ این دون است و آن والا
قدم زین ہر دو بیرون نہ ، نہ اینجا باش نے آنجا

(۵۱) سنائی نے اپنے خط میں یہی خیال دوسرے انداز میں پیش کیا ہے :
گہرہای کہ در طویلۂ قدم در یک سلک منتظم باشند دلال تا اہل میان ایشان فضولی بود کہ نہنگِ لاالہ الا اللہ ہمہ ربہا و سبہا درپیش سرا پردۂ سبحانیت بیوبارید است (مکاتیب سنائی مرتبہ نذیر احمد ، علی گڑھ ۱۹۶۲ء ، ص ۱۰۲)

(۵۲) فارسی خط میں نام بالکل غلط درج ہیں ، پہلا جاکیت ، جاگت ، دوسرا ستن ، پسین ، سین ، تیسرا سکونت ، البتہ چوتھا نام ترُیا صحیح ہے ، لیکن زیادہ درست شکل "ترِیہ" ہو گی - ویدانت میں چاروں درجے مفصل بیان ہوئے ہیں ۔ مجھے سنسکرت کے ایک عالم نے بتایا کہ قدیم سنسکرت کتاب (Vedantásar) تالیف Sadanand میں ان کی مفصل تشریح ملتی ہے - قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ امیر ابوالعلا نے ویدانت کے ان درجوں کی شرح چار طرح سے کی ہے ، اس سے واضح ہے کہ انھوں نے ویدانت کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور اس کو اسلامی تصوف کے پیمانے سے ناپنے کی اچھی کوشش کی تھی۔

پس نوشت:

مکتوبِ پانزدہم بنام خواجہ محمد صالح میں امیر خسرو کے شعر سے متعلق حسبِ ذیل مطالب کا اضافہ کیا جاتا ہے:-

مولانا جامی نے بھی امیر خسرو کے شعر: ز دریای شہادت چون نہنگِ لا برآرد سر اخ کی شرح لکھی تھی، دیکھیے مقدمۂ نفحات الانس تصحیح محمود عابدی، صفحہ بیجدہ، تہران ۱۳۷۰ شمسی، ڈاکٹر سید حسن عباس نے جامی کی اس شرح کا تنقیدی متن رسالۂ قند پارسی، ایران ہاؤس، دلی، میں شایع کر دیا ہے-

نذیر احمد

۲۳ جون ۱۹۹۵ء

(میر ابوالعلاء اکبر آبادی کے رسالۂ فنای ثلاثہ کا متن مرتبہ ڈاکٹر نذیر احمد "گوشۂ متون" میں ملاحظہ فرمائیں- اس متن کو دو قلمی نسخوں کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے-)